اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیادی اقدار پر ایک نظر

مولف: حسین خسروی
مترجم: محمد جعفر زیدی

تصور کریں آپ ایک ایسے شہر میں زندگی گزار رہے ہیں جہاں زیادہ تر افراد پڑھنا لکھنا نہیں جانتے۔ خرافات، بت پرستی، شراب نوشی، عیاشی، ناجائز تعلقات، شدید قبائلی تعصب اور چھوٹے سے چھوٹے بہانہ پر عرصہ دراز تک جنگ و خونریزی کرنا جہاں کا رائج تہذیب و کلچر ہو، ان سب سے بڑھ کر جہاں عورت کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو، اسے غیر عادلانہ طور پر صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا جاتا ہو۔ دوسری طرف آپ ایسے خشک اور بے آب و علف بیابان میں پھنسے ہوئے ہوں جو ہر امید اور مادی و معنوی ترقی کو ناامیدی اور مایوسی میں بدل دے۔

اگرچہ یہ تصور سخت اور دشوار ہے لیکن یہ اس سرزمین کی بعض خصوصیات ہیں جہاں پندرہ صدی پہلے اسلام نے اپنا قدم رکھا تھا۔ وہ دین جس کی پہلی تعلیم ہی «اقرا» تھی۔ واضح ہے کہ ان حالات میں خاص کر استحکام و سلامتی کی کمی اور عقل و منطق کے نہ ہونے کے سبب ایک تمدن کو وجود میں لانے کی راہ کو ہموار نہیں کیا جاسکتا ہے اور بالفرض اگر تمدن وجود میں آ بھی جائے تو ایسے سماج میں اس تمدن کی بقا تنازع اور جنگ و خونریزی پر ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اس سرزمین پر علم و ثقافت کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پائی جاتی تھی تو وہ اسی نچلے اور پست درجہ کی تہذیب و تمدن کا آئینہ تھی۔

اس سرزمین کے محنت و مشقت کرنے والے اور سخت جان لوگ اگرچہ شعر و شاعری اور ادب و ہنر میں بھی دلچسپی رکھتے تھے لیکن ان کے ادبی آثار اسی پست تہذیب کی ترجمانی کرتے تھے۔ فرض کریں اگر آج کی علمی ترقیاں اس معاشرہ میں ہوتیں تو اس کے کیا برے اور تباہ کن نتائج سامنے آتے؟ یقیناً ایک ایسا تمدن ہوتا جو قبیلہ اور نسل پرستی پر قائم ہوتا جہاں طاقت و پاور کا سکہ چلتا اور لذت و عیاشی کا بول بالا ہوتا۔

ان حالات میں حقیقی اور انسانی و اخلاقی اقدار پر قائم تہذیب و تمدن کو کیسے وجود میں لایا جاسکتا ہے؟ یہ وہی عظیم کارنامہ ہے جسے اسلام نے محض چند سالوں میں معاشرہ کی بنیادی اقدار کو تبدیل کرکے انجام دیا؛ بت پرستی و شرک کو عقیدۂ توحید سے اور درندگی ،انتقام جوئی اور خود پسندی کو انسان دوستی اور محبت میں بدل دیا اور دنیا و مادیت سے ان کی توجہ ہٹا کر آخرت و ابدی حیات سے انہیں آشنا کیا۔ پیغمبر اکرم ﷺ پر سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ یہ تھیں :

"اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ بتادیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا"[۱]۔

یہ وہ پہلا پیغام تھا جو اسلام نے بشریت کو دیا اور ہر چیز سے پہلے اس نے اپنے مخاطب کے فکر و فہم کو مورد خطاب قرار دیا، ایسا خطاب جو کسی خاص سرزمین اور کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔

اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں جو انسان کو کائنات کے اسرار و رموز اور اس پر مسلط نظام کی جانب غور و فکر کرنے کی دعوت دے رہی ہیں البتہ اس فرق کے ساتھ کہ قرآنی نقطہ نظر سے تمام اشیاء کا سرچشمہ پروردگار عالم کا ارادۂ غالب و قاہر ہے نہ کہ انسان یا اتفاق لہٰذا قرآن کریم نہ صرف تحصیل علم و دانش کا مشوق ہے بلکہ توحید کو مستحکم کرنے ، معرفت الٰہی کو نشر کرنے اور مختلف علوم تک رسائی کے لئے مختلف موقعوں پر اسرار و رموز عالم سے پردہ اٹھانے والا ہے۔ قرآن مجید کی یہ عمیق تعلیمات نیز پیغمبر ختمی مرتبت (ص) کی تحصیل علم کے سلسلہ میں مسلسل سفارشیں، مسلمانوں کو ابتدا ہی سے علم حاصل کرنے کی طرف دعوت دیتی رہی ہیں۔

پیغمبر گرامی اسلام (ص) کے سامنے ایک سخت مرحلہ درپیش تھا۔ آپ کا سامنا ایک ایسی متعصب قوم سے تھا جس کی زبان اس کی شمشیر تھی اور جس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس کے بازوؤں میں نہاں تھی۔ آپ ﷺ کو اس قوم سے نرم و لطیف لہجہ میں گفتگو کرنی تھی اور آپ کی نبوت کا معجزہ بھی یہی ہے۔ دوسرے تمام انبیاء کے برخلاف پیغمبر گرامی اسلام کا معجزہ ایک مکتوب اور الٰہی کتاب کی شکل میں ہے؛ بغیر

۱۔ سورہ علق، ۱۔۵

اس کے کہ ایک حرف بھی اس میں کم یا زیادہ ہو یا اس کا دوسرا ایڈیشن تاریخ میں کہیں ملتا ہو۔ قرآن مجید ایک ایسی تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈال رہا تھا جس نے صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کی۔ ہمارا ارادہ تاریخ کو دہرانا یا اس کی جزئیات کو بیان کرنا نہیں ہے، اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے جا چکے ہیں بلکہ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کس طرح ایک ایسی تہذیب و تمدن نے جنم لیا جس نے جغرافیائی سرحدوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا؟

بالفاظ دیگر اسلامی تہذیب و تمدن کبھی بھی کسی خاص سرزمین یا عرب سلاطین سے مخصوص نہیں تھی اور نہ ہے۔ یہ تہذیب اتنی وسیع ہے کہ اس نے اپنے اندر مختلف نسلوں کو سمیٹا ہوا ہے چاہے وہ عرب ہوں یا ایرانی، ترک ہوں یا ہندوستانی، رومی ہوں یا چینی؛ مشرق سے مغرب تک سب اس تہذیب کا حصہ ہیں؛ وہ سرزمین اور وہ لوگ جو اس سے قبل ہمیشہ آپس میں لڑتے تھے اور ایک دوسرے کے جانی دشمن کہلاتے تھے۔ ممکن ہے میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کے پروپگنڈوں کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہن میں اسلام کی صورت ایک کٹر، جنگجو اور دوسرے ممالک پر حملہ کرکے ان پر قبضہ کرنے والی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ خالص اسلام تلوار کو غلاف سے نکالنے سے پہلے گفتگو اور زبانی مجادلہ کا حکم دیتا ہے اس کی نظر میں جہاد قتل و غارت گری یا ملکوں پر قبضہ کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ایک دفاعی حربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے مختلف بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کو دین اسلام کی دعوت دینے کا آغاز پیغمبر ختمی مرتبت (ص) قاصد اور خطوط کے ذریعہ کرتے ہیں نہ کہ فوج اور جنگ کے ذریعہ۔ جنگ کے دوران اور طاقت رکھنے کے باوجود آپ (ص) بخشش، مہربانی اور درگذر سے کام لے کر الٰہی رہبر کے اخلاق و عطوفت کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ پیغمبر جس نے اپنے قریبی صحابی بلال حبشی کی صرف اس وجہ سے سخت مذمت اور سرزنش کی کیونکہ وہ جنگ خیبر کے اسیروں کو ان کے مقتولین کے پاس سے لے کر گزرے تھے۔ وہ پیغمبر جس نے اپنے تمام کٹر اور جانی دشمنوں کو جنہوں نے آپ کو اور آپ کے دین کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ان سب کو معاف کر دیا؛ اور شہر مکہ جو مشرکین کا مرکز مانا جاتا تھا اسے بغیر کسی جنگ و خونریزی کے فتح کیا تھا۔

اس طرح کے متعدد واقعات تاریخ کی کتابوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور صدر اسلام کی ہر جنگ میں اس کی مثال ملتی ہے۔ پیغمبر اکرم (ص) کی اسی سیرت اور تعلیم سے متاثر ہو کر تمام اسلامی سرزمین رفتہ رفتہ خوشحالی و ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئی اور جب اسلام پھیلا اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے لوگ اس

عظیم الٰہی دین کی جانب گرویدہ ہونے لگے تو کل تک جو ایک دوسرے کے دشمن تھے وہ آپس میں بھائی ہو گئے اور ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے۔

تیرہ سال تک صبر و تحمل اور مخفیانہ اور اعلانیہ طور پر وعظ و نصیحت اور اسلام کی دعوت دینے کے بعد پیغمبر اکرم ؐ نے اپنی جائے پیدائش سے یثرب کی جانب ہجرت کی۔ یثرب پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور علمی مرکز کے عنوان سے ایک مسجد کی تعمیر کرائی اور اس طرح سے آپ نے اسلامی تمدن و تہذیب کی بنیاد رکھی۔ یثرب میں قیام کے ابتدائی دنوں میں آپ نے کچھ قوانین بھی وضع فرمائے جس میں مسلمان و غیر مسلمان دونوں کے حقوق کی مراعات کی گئی تھی جس کے نتیجہ میں یثرب میں جسے شہر نبی [مدینۃ النبی] کے نام سے جانا جاتا تھا؛ امن و سکون پایا جانے لگا۔ وہ قوانین جس نے ایک تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور رفتہ رفتہ قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔

قابل ذکر ہے کہ یہ ترقی صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں تھی۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کی تشکیل کے ابتدائی دنوں میں ہی جب روم کی عیسائی حکومت یہودیوں کے خون کی پیاسی تھی، پیغمبر ختمی مرتبت (ص) نے یہودیوں، عیسائیوں، صابئین اور مجوسیوں کو اہل کتاب قرار دیا اور اس وقت تک ان کے تمام حقوق کو محفوظ جانا جب تک وہ جدید اسلامی حکومت کے خلاف کوئی سازش نہیں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی صدیوں تک وہ اہل کتاب خاص کر یہودی جو اسلامی سرزمین پر زندگی بسر کر رہے تھے ان کی زندگی ان یہودیوں سے جو یورپ یا دوسری جگہوں پر زندگی گزار رہے تھے نسبتا بہتر تھی۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے دینی رسومات کو انجام دینے میں آزاد تھے بلکہ ان کے دینی علوم نے کافی ترقی بھی کی۔

لہٰذا پیغمبر ختمی مرتبت (ص) کا انقلاب دراصل عالمی پیمانہ پر ایک ثقافتی انقلاب تھا جس کی بنیاد خودغرضی اور دنیا طلبی کے بجائے خدا اور آخرت طلبی پر استوار تھی۔ اسی بنیاد کا ثمرہ تھا کہ اسلام نے علمی اور ثقافتی لحاظ سے دنیا والوں کے ساتھ تعامل شروع کیا۔ مسلمان دانشور خداوند عالم کی ذات کو تمام علوم و معارف کا سرچشمہ مانتے تھے لہٰذا انہوں نے دور دراز ملکوں کے مختلف علوم کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ انہیں قلمبند بھی کیا۔ بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مصر، چین، ایران اور یونان وغیرہ کے علمی کارناموں کو محفوظ و مستند بنانے میں مسلمان دانشوروں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اگرچہ غیر مسلم دانشور حضرات کی کاوشیں بھی ناقابل انکار

ہیں خاص کر غیر عربی زبان میں پائی جانے والی کتب کو عربی میں ترجمہ کرنے میں ان کی کاوش لائق ستائش ہے۔

اس درمیان خاندان رسالت کے اہم مرکزی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے علوم و معارف الٰہی کو نشر کرنے کے ساتھ ساتھ ہزاروں شاگردوں کی تربیت بھی کی۔ اس زمانہ میں یورپ کلیسا کے زیر نگرانی سخت حالات سے روبرو تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب اسلامی سرزمین میں ایک کے بعد دوسرے علمی مدارس، اسپتال، رصد گاہ، تجربہ گاہ اور لائبریری وغیرہ کھل رہے تھے۔ یورپ قرون وسطی کے تاریک سائے کے تلے سانس لے رہا تھا اور اسلامی دانشور پورے جوش و خروش کے ساتھ علم کی چوٹیوں کو فتح کرتے چلے جارہے تھے۔ اس عظیم میراث میں یورپ کا رول بس اتنا تھا کہ وہ دور سے اس انقلاب کا نظارہ گر تھا۔ اس دوران علمی و ثقافتی لحاظ سے یورپ کا کردار خال خال ہی نظر آتا ہے وہ بھی اس صورت میں جب کلیسا کی جانب سے اس پر الحاد و انحراف کی تہمت نہ لگے۔

اسی سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے جس علمی انقلاب کی بنیاد رکھی وہ کس درجہ علم کی ترقی اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں کارگر ثابت ہوئی۔ دین اسلام نہ صرف یہ کہ دنیاوی زندگی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ دنیاوی زندگی کو وہ ایک جہت اور مقصد عطا کرتا ہے۔ حقیقت میں اسلام دنیا کو ترک کرنے اور رہبانیت کو سراہنے کے بجائے انسانوں کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کرتا ہے کہ زندگی اس دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس دنیا سے ماورا بھی زندگی جاری و ساری رہے گی لہٰذا اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کمال کی منزلوں کو طے کرنا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ دنیاوی لذتوں اور خوشیوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ سفارش کی گئی ہے کہ انسانی صلاحیتوں کو مزید شگوفا کرنے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے دنیاوی خوشیوں سے صحیح، منطقی اور معقول طور پر فائدہ حاصل کیا جائے اور یہی اسلام کا درمیانی راستہ ہے۔

اس نقطہ نظر سے انسانی حیات کو ایک نیا رخ ملتا ہے؛ ایک ایسی عالمانہ اور آگہی سے بھرپور زندگی جس میں قدرتی عناصر اور طاقتوں کو ایک بڑے اور عالی مقصد یعنی کمال کی بلندیوں کو حاصل کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں گذشتہ لوگوں کی میراث سے اس وقت تک فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے جب تک وہ اسلام کے مسلّم اصول سے نہ ٹکرائیں۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کے سبب اسلامی تہذیب و تمدن نے

اتنی تیزی سے ترقی کے سفر کو طے کیا۔ اگر ہم اسلامی تمدن کے اس سنہرے دور کے مسلمان دانشوروں کے نام اور ان کے علمی کارناموں کی ایک فہرست بنائیں تو بلا شبہ سینکڑوں جلد کتابیں بھی کافی نہیں ہو نگی، وہ علماء حضرات جن میں سے بعض صرف ایک ہی علم میں نہیں بلکہ مختلف علوم میں ید طولی رکھتے تھے۔

اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے سایہ میں انسانی ترقی کے لئے ایک اہم اور سازگار ماحول فراہم ہوا تھا؛ یہاں تک کہ خود مغربی دانشوروں کا یہ ماننا ہے کہ قرون وسطی کے تاریک و سیاہ دور کے بعد یورپ کی ثقافتی اور علمی تحریک کو جو حیات نو نصیب ہوئی ہے اس میں مسلمان دانشوروں اور علماء کا بنیادی کردار تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ علمی لحاظ سے مغربی دانشور اسی راہ اور تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں جس کی شروعات مسلمان دانشوروں نے کی تھی تو بے جا نہیں ہوگا۔

حقیقت میں اسلام سے پہلے سماج پر پست اصول حاکم تھے، اسلام نے انہیں اعلی معیاری اصولوں سے بدل کر ان کی ترویج کی اور انسانوں کے درمیان ایک ایسا بے مثال اتحاد قائم کیا جس میں ہر ایک کے حقوق محفوظ تھے اور کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ دوسروں کے حقوق کو ضائع کرے۔اس طرح سے اسلام نے عالمی پیمانہ پر اور قوم و نژاد سے ماورا ایک ایسی تہذیب و ثقافت کے لئے ماحول فراہم کیا جو عظیم علمی کارناموں کا منشا قرار پائی۔

اب ہم اپنے ابتدائی کلام کی جانب پلٹیں گے کہ متعصب اور سخت جان لوگوں کے درمیان، وہ لوگ جو ثقافت کے لحاظ سے نچلی سطح پر زندگی بسر کر رہے تھے اور جن کی حیات کا کوئی مقصد اور ہدف نہیں تھا ایسے لوگوں کے درمیان اسلام نے علم، ہنر اور تہذیب و تمدن کا ایسا تناور درخت لگادیا جس کی جڑیں توحید پر قائم تھی اور اب وہی لوگ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو تشدد پسند، دہشت گرد اور غیر مہذب کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں؟ کیا صاحبان عقل و خرد کے نزدیک یہ چیز قابل قبول ہے؟ مغربی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے کیا اس پر شک و تردید نہیں کرنا چاہئے؟ بے شک زندہ دل، زندہ ضمیر اور آزاد انسان کا وجدان ہی اس سلسلہ میں داوری کرنے کے لئے کافی ہے۔